قربت الٰہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی سے وابستہ ہے

عادت اللہ ہے جو کچھ بننے کی آرزو کرتے ہیں وہ محروم رہتے ہیں

اور جو چھپنا چاہتے ہیں انہیں باہر نکال کر سب کچھ بنا دیتا ہے

(خطبہ جمعہ فرمودہ 13 نومبر 1998ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انورؒ نے درج آیت کریمہ تلاوت کی:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ﴿۹﴾ (المزمل:9)

پھر فرمایا:

یہ آیت جس کی میں نے آج تلاوت کی ہے جیسا کہ اس کے مضمون سے صاف ظاہر ہے یہ اللہ کی یاد میں دُنیا سے اپنے کو جدا کرنے کی تلقین ہے۔ تبتّل کا مطلب یہ ہے کہ ایسے جدا ہو جائے کہ گویا دُنیا سے کٹ گیا ہے اور خالصۃً اللہ ہی کے لئے ہو گیا ہے۔ یہاں تبتّل کا یہ معنی نہیں کہ دُنیا سے ہر قسم کے تعلقات کاٹ لے مگر ایسے تعلقات رکھے کہ تعلقات کے رہتے ہوئے بھی بظاہر یعنی تعلقات ظاہری طور پر رہیں لیکن دل ہمیشہ مائل بخُدا رہے۔ یہ معنی ہے تبتّل کا جو دراصل نبوت کے آغاز سے پہلے شروع ہو جاتا ہے اور اس مضمون کو میں بعض احادیث نبویہ کی روشنی میں آغاز ہی میں کھولوں گا۔

یہ خیال کہ نبی، نبی بننے کے بعد تبتّل کرتا ہے یہ درست نہیں۔ تبتّل کے نتیجہ میں نبی بنتا ہے۔ یہ ایک نمایاں فرق ہے جو پیش نظر رہنا چاہئے اور ہر بڑا درجہ خواہ نبوت کا نہ بھی ہو صالحیت کا ہی ہو وہ

تبتّل ہی کی ایک سیڑھی ہے اور تبتّل ہی کے ذریعہ سے یہ سارے درجے عطا ہوتے ہیں۔ پس اس مضمون سے متعلق میں کچھ احادیث، کچھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقتباسات آج آپ کے سامنے رکھوں گا۔

الحکم جلد 5۔ 10 اکتوبر 1901ء صفحہ 3 پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس آیت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''خلاصہ کلام یہ ہے کہ خدا ہی کی رضا کو مقدم کرنا تو تبتّل ہے۔ اور پھر تبتّل اور توکل توام ہیں۔ تبتّل کا راز ہے توکل اور توکل کی شرط ہے تبتّل۔ یہی ہمارا مذہب اس امر میں ہے۔''

(الحکم جلد 5 نمبر 37 صفحہ 3 مؤرخہ 10 اکتوبر 1901ء)

توام جڑواں کو کہتے ہیں جیسے جڑواں بھائی جو ایک دوسرے کے ہم شکل ہوں یا جڑواں بچے جو کلیۃً ایک دوسرے سے مشابہ ہوں اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک تبتّل اور توکل ہیں۔ جتنا تبتّل دنیا سے کرو گے اتنا ہی لازماً توکل اللہ پر ہونا چاہئے اور جتنا توکل اللہ پر ہوا تنا ہی تبتّل کرو گے تو گویا ایک ہی مضمون کے دو نام ہیں تبتّل اور توکل۔

اس سلسلہ میں پہلی حدیث جو میں نے چنی ہے یہ ترمذی کِتَابُ الْمَنَاقِبِ سے لی گئی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں:

''أَوَّلُ مَا ابْتُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنَ النُّبُوَّةِ حِينَ أَرَادَ اللهُ كَرَامَتَهُ وَرَحْمَةَ العِبَادِ بِهِ أَنْ لَا يَرَى شَيْئًا إِلَّا جَاءَتْ كَفَلَقِ الصُّبْحِ، فَمَكَثَ عَلَى ذٰلِكَ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَمْكُثَ، وَحُبِّبَ إِلَيْهِ الْخَلْوَةُ فَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يَخْلُوَ۔''

(جامع الترمذی، کتاب المناقب عن رسول اللہ ﷺ، باب فی ذکر الرؤیا الصّادقة۔۔، حدیث نمبر:3632)

اس کا ترجمہ میرے سامنے رکھا گیا ہے وہ چونکہ درست نہیں تھا اس لئے میں نے وہ ترجمہ نہیں پڑھا۔ اس ترجمہ سے یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا نبوت کے حصول کے بعد خلوت نشینی شروع ہوتی ہے، بالکل برعکس مضمون ہے۔ خلوت نشینی کے نتیجہ میں نبوت ملتی ہے اور پھر یہ خلوت نشینی ٹوٹتی کیوں ہے؟ اس لئے کہ حکماً وہ شخص مجبور کر دیا جاتا ہے کہ اب تمہیں باہر نکلنا پڑے گا۔ پس اس کا ترجمہ یوں بنتا ہے۔ أَوَّلُ مَا ابْتُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنَ النُّبُوَّةِ: نبوت کا آغاز جس چیز سے ہوا ہے یہ مراد نہیں ہے کہ

نبوت کے بعد شروع ہوا ہے۔ آغاز ہی میں، بچپن ہی میں جس بنا پر نبوت عطا ہوئی تھی وہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ خدا کی طرف تبتّل فرما رہے تھے اور اس تبتّل کے بغیر آپ ﷺ کو نبوت عطا نہیں ہونی تھی کیونکہ تبتّل نبوت کی پہلی شرط ہے اس کے بعد نبوت عطا ہوا کرتی ہے۔

حِينَ أَرَادَ اللّٰهُ كَرَامَتَهُ وَرَحْمَةَ الْعِبَادِ بِهِ: کہتے ہیں اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے کہ شروع میں رسول اللہ ﷺ جب تبتّل فرما رہے تھے تو کوئی رؤیا بھی ایسی نہیں ہوتی تھی جو صبح روز روشن کی طرح پوری نہ ہو جاتی ہو۔ تو رؤیا کا آغاز یہ بھی نبوت کی پہلی سیڑھی تھی۔ بعد میں جو الہامات اور مکاشفات کا واضح سلسلہ شروع ہوا ہے اس سے پہلے ایک مزہ چکھانے کے لئے خدا تعالیٰ نے رؤیائے صالحہ کا سلسلہ جاری فرمایا اور حضرت عائشہؓ خود تو اس وقت نہیں تھیں مگر لازماً آنحضرت ﷺ سے یا دیگر صحابہؓ سے سنا ہوگا کہ حالت یہ تھی کہ رات کو جو دیکھتے تھے صبح جس طرح صبح طلوع ہوتی ہے اسی طرح وہ رؤیا طلوع ہو جایا کرتی تھی۔ بعینہٖ وہی باتیں صبح ظاہر ہوتی تھیں گویا کہ آنحضرت ﷺ کا دل مزید یقین پہ قائم ہو جاتا تھا کہ جس راستہ پر میں چلا ہوں وہی درست رستہ ہے اور اللہ اسی رستہ پر ملے گا۔ فَمَكَثَ عَلَى ذٰلِكَ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَمْكُثَ: اس حالت پر جتنا اللہ نے چاہا آپ ﷺ کو ٹھہرائے رکھا۔ وَحُبِّبَ إِلَيْهِ الْخَلْوَةُ: اور یہ وہ دور ہے جب آپ ﷺ کو خلوت بہت پیاری تھی اور خلوت پیاری کر دی گئی آپ ﷺ کے لئے۔ فَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَنْ يَخْلُوَ: کوئی چیز بھی آپ ﷺ کو اس سے زیادہ پیاری نہیں تھی کہ آپ ﷺ علیحدہ رہیں اور دُنیا سے قطع تعلق کر لیں۔ غارِ حرا میں جا کر رہنے کا جو سلسلہ ہے وہ اسی خلوت کی علامت ہے۔ پس غارِ حرا میں جانے سے پہلے نبوت عطا نہیں ہوئی بلکہ نبوت کی ابتدائی سیڑھیاں تھیں جو چڑھنے کے بعد پھر بعد میں غارِ حرا آتی ہے اور غارِ حرا میں جانے کے بعد کچھ عرصہ تک، جب تک اللہ نے چاہا آپ ﷺ کو علیحدہ رکھا پھر حکماً آپ ﷺ کو باہر نکالا گیا ہے۔ یہ مضمون تمام سالکوں کے لئے برابر ہے۔ ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کا قرب چاہتا ہے وہ آنحضرت ﷺ کے اس نمونہ کی پیروی کرے اور اس کو مدنظر رکھ کے پھر اپنا جائزہ لے کہ کس حد تک وہ اللہ تعالیٰ کے قرب میں بڑھتا ہے یا بڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔

ایک دوسری حدیث جو مسلم کِتَابُ الزُّهْدِ وَالرَّقَائِقِ سے لی گئی ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''اللہ تعالیٰ اس انسان سے محبت کرتا ہے جو پرہیز گار ہو، بے نیاز ہو، گمنامی اور گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے والا ہو۔''

(صحیح مسلم کتاب الزھد والرقائق، حدیث نمبر:2965)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو نبوت کے بعد گوشہ نشینی ترک کردی تھی اس لئے یہ مراد نہیں کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی محبت بھی ختم ہوگئی۔ گوشہ نشینی ترک کی تھی محبت کی خاطر اور حکماً، پھر مجبور کر دیئے گئے ہیں کہ گوشہ نشینی ترک کرو، اُس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گوشہ نشینی ترک کی لیکن اس میں جو باتیں بیان ہوئی ہیں وہ بھی سیڑھیاں سی ہیں جو درجہ بدرجہ معاملہ کو آگے بڑھا رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے محبت فرماتا ہے جو پرہیز گار ہو یعنی بدیوں سے رکنے والا، طبعاً عادتاً نیک مزاج ہو اور گناہوں سے اجتناب کرتا ہو، بے نیاز ہو۔ اس لئے اجتناب نہیں کرتا کہ لوگ دیکھیں اور اس کی تعریف کریں، اس سے اجتناب ذاتی ہے اور لوگوں کو پتا ہی نہیں کہ کس کس چیز سے اجتناب کر رہا ہے۔ اس کے اجتناب کی حالت ہی مخفی رہتی ہے اور وہ اس بات سے بے نیاز ہوتا ہے، کوڑی کی بھی پرواہ نہیں ہوتی کہ دُنیا کو پتا لگ رہا ہے کہ نہیں کہ میں کس چیز سے بچ رہا ہوں، خدا کی خاطر کیا کیا تکلیف اٹھا رہا ہوں۔ جب بے نیاز ہوتا ہے تو پھر گمنامی اور گوشہ نشینی اختیار کرنا اس کا طبعی نتیجہ ہے۔ گوشہ نشینی اس کو دوہرا فائدہ دیتی ہے۔ ایک تو اس کی بے نیازی کی یہ شان ہے کہ وہ گوشہ نشین ہو جاتا ہے اور اس کو کوئی پرواہ نہیں کہ دُنیا کو اس کا کچھ پتا بھی ہے کہ نہیں۔ دوسرے گوشہ نشینی کے نتیجہ میں جس بنا پر وہ دُنیا سے الگ ہوا یعنی اللہ کی محبت، اس کو اس کا حق ادا کرنے کا زیادہ موقع مل جاتا ہے۔

اس کے بعد اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض اقتباسات جو اس مضمون سے تعلق رکھتے ہیں اور اسی مضمون کو آگے بڑھاتے چلے جا رہے ہیں وہ میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ ملفوظات جلد 4 صفحہ 317 طبع جدید میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہ اقوال درج ہیں جو ملفوظات کہلاتے ہیں یعنی آپؑ نے زبانی مجالس میں یہ باتیں کی تھیں جنہیں بعد میں کتابی صورت میں شائع کر دیا گیا۔ ضروری نہیں کہ بعد میں شائع کیا گیا ہو بہت سے ملفوظات ایسے ہیں جو ساتھ ساتھ الحکم وغیرہ میں مختلف جماعتی رسالوں میں شائع ہو رہے تھے اور اس وجہ سے ان پر یہ سند ہوگئی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کچھ کہا تھا وہی بات لکھی گئی ہے۔ جو لکھی گئی ہے

وہی تھی جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی تھی۔ اس کے بعد بھی بہت سے ملفوظات شائع ہوئے ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں شائع نہیں ہوئے تھے مگر ان کو مختلف راویوں کی سچائی تقویت دیتی ہے اور مختلف راویوں کا آپس میں ان امور پر اتفاق کرنا بتاتا ہے کہ وہ اگرچہ الگ الگ ہیں، مختلف جگہوں کے رہنے والے ہیں مگر ملفوظات کے وقت چونکہ وہ بھی حاضر تھے انہوں نے وہی بات بیان کی ہے جو دوسرے راویوں نے بیان کی ہے۔ اب ملفوظات کا جو حصّہ میں آپ کے سامنے پڑھنے لگا ہوں وہ یہ ہے۔

''اصل بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ انس اور ذوق پیدا ہو جاتا ہے تو پھر دنیا اور اہل دنیا سے ایک نفرت اور کراہت پیدا ہو جاتی ہے۔''

اب یہ بات تو آپ کو بڑی عجیب سی لگے گی۔ اگر ظاہری نظر سے دیکھیں کہ اللہ سے محبت کے نتیجہ میں دُنیا سے نفرت ہو جاتی ہے اور کراہت ہو جاتی ہے۔ اللہ سے محبت ہی کے نتیجہ میں دُنیا سے سچی رحمت اور شفقت اور محبت کا سلوک انسان کو عطا ہوتا ہے۔ تو یہاں دُنیا دار اور مادہ پرستوں کا ذکر ہے۔ وہ جو خدا کو چھوڑ کر مٹی چاٹنے والے لوگ ہیں ان سے کراہت پیدا ہوتی ہے اور وہ کراہت بھی ایک نفرت کا رنگ رکھنے کے باوجود ان لوگوں کو مجبور کر دیا کرتی ہے کہ ان کی اصلاح کے لئے ہر قربانی کریں۔ تو اصلاح کے لئے کوشش کرنا اس نفرت کے نتیجہ میں مدّھم نہیں پڑتا بلکہ جتنی زیادہ کراہت ہوتی ہے اتنی زیادہ انسان جدوجہد کرتا ہے کہ ان کو اس گندگی سے پاک وصاف کر دے اور اس گند چاٹنے سے ان کو روک دے۔ یہ وضاحتیں ضروری ہیں ورنہ عام طور پر جو ہمارے اُردو دان بھی ہیں وہ بھی سرسری نظر سے پڑھیں تو ان کو ان باریک باتوں کی غالباً سمجھ نہیں آئے گی لیکن جو زیادہ عالم نہیں ہیں سادہ مزاج احمدی ہیں ان کے لئے تو یہ وضاحتیں ضروری ہیں بہر حال۔

''بالطبع تنہائی اور خلوت پسند آتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی یہی حالت تھی۔ اللہ تعالیٰ کی محبت میں آپ اس قدر فنا ہو چکے تھے کہ آپ اس تنہائی میں ہی پوری لذت اور ذوق پاتے تھے اور ایسی جگہ میں جہاں کوئی آرام کا اور راحت کا سامان نہ تھا اور جہاں جاتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہو آپ وہاں کئی کئی راتیں تنہا گزارتے تھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسے بہادر اور شجاع تھے۔ جب خدا تعالیٰ سے تعلق شدید ہو تو پھر

شجاعت بھی آجاتی ہے اس لئے مومن کبھی بزدل نہیں ہوتا۔ اہلِ دُنیا بزدل ہوتے ہیں ان میں حقیقی شجاعت نہیں ہوتی ہے۔‘‘

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ:317 / الحکم جلد 9 نمبر 28 صفحہ:2 مؤرخہ 10 اگست 1905ء)

اب یہ مضمون اسی تبتّل سے مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نکالا ہے اور عام طور پر اس تبتّل کے تعلق میں آپ کو یہ مضمون کہیں اور سنائی نہیں دے گا، کہیں اور آپ اس کو نہیں پڑھیں گے۔ صرف یہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں جنہوں نے ایسا شاندار طبعی نتیجہ نکالا ہے تبتّل کا۔ غارِ حرا میں اب بھی جو جانے والے جاتے ہیں اور جھانک کے دیکھتے ہیں ان کو ڈر لگتا ہے۔ وہ ایسی جگہ ہے اوّل تو اس کا چڑھنا مصیبت اور پھر اکیلے سفر کرنا اور غار میں جا کے بیٹھے رہنا آج کل بھی جو کمزور دل والے ہیں ان کو ڈر لگتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا کئی کئی دن وہاں جا کر ٹھہر جانا یہ آپ کی شجاعت کی علامت ہے۔ آپ ﷺ بہت بہادر تھے۔ پس وہ لوگ جو اندھیروں سے ڈرتے ہیں اور جنّوں بھوتوں کا خوف کھاتے ہیں ان کے لئے یہ اسوہ رسول ایک بہت بڑی علامت ہے اس بات کی کہ خدا والے خوفزدہ نہیں ہوا کرتے۔ جب غیر اللہ کا تصور ہی اٹھ گیا ہو تو نقصان کس نے پہنچانا ہے۔ یہ مضمون ہے جو شجاعت اور توکل کے ساتھ جڑواں بھائیوں کی طرح ہے۔ دیکھیں جتنا خدا پر اعتماد بڑھے گا جتنا یقین ہوگا اتنا ہی زیادہ غیر اللہ کا خوف اٹھتا جائے گا اور اگر نہیں اٹھے گا تو مومن کا کام ہے کہ ضرور اس کو توڑے اور اس کو ردّ کرے۔

یہ میں نے اپنا تجربہ بھی ایک دفعہ بیان کیا تھا، شاید بھول گئے ہوں کچھ لوگ، کسی ضمن میں مَیں نے بیان کیا تھا ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت ابّا جان اور سارے پہاڑ پر گئے ہوئے تھے اور میں اپنے گھر کے صحن میں اکیلا سویا کرتا تھا اور بعض دفعہ سوتے ہوئے ڈر لگتا تھا کیونکہ کہانیاں بھی عجیب وغریب مشہور تھیں کہ ایک جنّ آیا کرتا ہے کوئی نالے پر انڈے بیلنے والی عورت ہے جو چھت پر سے چھلانگ لگا کے آیا کرتی ہے۔ اس قسم کی کہانیاں پرانے زمانے سے چلی آرہی تھیں اس گھر کے متعلق۔ تو ایک دفعہ اچانک مجھے خیال آیا کہ یہ تو شرک ہے۔ اگر کوئی بلا، کوئی جنّ نقصان پہنچا سکتا ہے اللہ کے اذن کے بغیر تو یہ بھی تو ایک شرک کی قسم ہے۔ تو میں کیوں ڈر رہا ہوں، مجھے کیوں نیند نہیں آرہی اس لئے میں نے مقابلہ کرنا ہے اب اس کا اور اپنے آپ پہ سختی کر کے بھی مقابلہ کرنا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا

کی خاطر مجھے بہادری عطا ہو۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد پھر میں نے خوب نظر دوڑائی کہ کون سی جگہ ہے جہاں سب سے زیادہ ڈرنے والی جگہ ہے۔ ہمارے ہاں ایک چھوٹا سا کمرہ ہوا کرتا تھا اس کمرے کے متعلق بڑی روایتیں تھیں کہ بڑی بلائیں وہاں ہوتی ہیں اور خاص طور پر وہ چمنی کی جگہ جہاں ہوتی تھی جہاں وہ آگ جلائی جاتی ہے اس کے متعلق بتایا جاتا تھا کہ یہ بڑی خطرناک جگہ ہے۔ تو میں رات کو اٹھا اور دروازہ کھول کے اس کمرے کی چمنی میں جا کر بیٹھ گیا۔ میں نے کہا اب جو بلا آنی ہے آ جائے اور میں اللہ پر توکل کرتا ہوں مجھے پتا ہے کہ کوئی بلا مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتی جب تک اللہ نہ چاہے۔ کچھ دیر بیٹھنے کے بعد اتنا سکون ملا ہے آرام سے چلا گیا بستر پر پڑتے ہی نیند آ گئی، کوڑی کی بھی پرواہ نہیں رہی۔ تو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس عبارت کو پڑھتے ہوئے مجھے یہ اپنا ذاتی واقعہ یاد آ گیا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام شناسا تھے ان باتوں کے۔ باوجود اس کے کہ خود آپؑ پر ایسا کوئی وقت نہیں گزرا لیکن صاحبِ عرفان تھے، انسانی نفسیات کو سمجھتے تھے۔ تو ہم نے جو چیزیں تلخ تجربوں سے سیکھیں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایک عرفان کی صورت میں روشن تھیں اور یہی وہ مضمون ہے جو آپؑ غارِ حرا کے تعلق میں بیان فرما رہے ہیں۔ بے انتہا بہادر تھے اور اللہ پر کامل ایمان اور اللہ پر توکل کرنا اور اس کے نتیجہ میں تبتّل جو شروع کی عبارت میں نے پڑھی تھی دیکھیں کس طرح مضمون آپس میں جڑواں ہیں۔ تبتّل اس لئے کیا تھا کہ اللہ پر توکل تھا اور اللہ سے محبت تھی اور اس کی خاطر تنہائی سے بالکل بے خوفی ہو گئی تھی، کوئی ذرا سا بھی ڈر باقی نہیں رہا۔ ”جب خدا تعالیٰ سے تعلق شدید ہو تو پھر شجاعت آ ہی جاتی ہے۔“ یہ تو لازمہ ہے اس کا۔ ”اس لئے مومن کبھی بزدل نہیں ہوتا۔“ اب یاد رکھو آپ میں سے کون کون بزدل ہے وہ اپنے نفس پہ غور کر کے دیکھ لے۔ مومن صرف جنّات سے ہی بے خوف نہیں ہوتا بلکہ ہر دُنیا کی بلا سے بے خوف ہو جاتا ہے اور بے خوفی کا نسخہ یہ ہے۔ آپ کو طرح طرح کے خوف گھیر لیتے ہیں لوگ مجھے لکھتے رہتے ہیں خطوں میں کہ ہم اس بات سے ڈرتے ہیں یہ نہ ہو جائے، وہ نہ ہو جائے۔ ان کو میں لکھتا ہوں کہ وہ دعا کیا کرو کہ:

”اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا، وَآمِنْ رَوْعَاتِنَا۔“

(مسند احمد بن حنبل، مسند المکثرین من الصحابۃ، مسند أبی سعید الخدری، مسند نمبر: 10996)

اے اللہ ہماری اندرونی کمزوریوں پہ پردہ ڈال دے، جو ہمارے چھپانے کی جگہیں ہیں جن کو ہم چھپانا چاہتے ہیں ان پر اپنا ستاری کا پردہ رکھ لے۔ وَآمِنْ رَوْعَاتِنَا اور ہمارے خوفوں کو امن میں تبدیل فرما دے۔ یہ ایک بہت اچھی دعا ہے جس کو میں نے بارہا آزما کے دیکھا ہے۔ جب بھی اس قسم کے خطرات درپیش ہوں تو دراصل یہ خطرے دو ہی طرح کے ہوا کرتے ہیں۔ کچھ کمزور انسان اپنی کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اور ہمیشہ خطرہ رہتا ہے کہ یہ پردہ پھٹ نہ جائے اگر پردہ پھٹ گیا تو دُنیا دیکھے گی۔ تو ایک بڑا خوف اس بات کا رہتا ہے اور اکثر لوگوں کو اس قسم کا خوف لاحق ہوتا ہی ہے کیونکہ انسان کمزوریوں کا پُتلا ہے اور دوسرا خوف وہ اَن دیکھے خطرات ہیں جو باہر سے ان پر حملہ آور ہوتے ہیں کبھی حکومت کی طرف سے، کبھی پولیس کی طرف سے، کبھی بدمعاشوں کی طرف سے، کبھی ڈاکوؤں کی طرف سے، ہر قسم کے خطرات اس کو گھیرے ہوئے ہوتے ہیں اور بعض ملکوں میں یہ روزمرّہ کی زندگی کا دستور بن گیا ہے۔

اب پاکستان سے اکثر جو خط آتے ہیں وہ انہی خطرات کا ذکر کرتے ہوئے ان سے بچنے کے لئے دعا کے لئے خط آتے ہیں۔ ان کو میں جواباً یہی لکھتا ہوں کہ اس دعا پر غور بھی کرو اور یہ دعا مانگا کرو تو پھر خطرات سے تم بے خوف ہو جاؤ گے اور یہ بے خوفی دو طرح سے نصیب ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ اللہ واقعۃً ان خطرات کو ٹال دیتا ہے۔ آپ کو پتا بھی نہیں لگتا کہ کس کس موقع پر اللہ کی کس تقدیر نے کیسے کام کیا۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے مجھے ایک خط آیا اور وہ عجیب سا خط تھا۔ وہ لکھنے والا کہتا ہے اس کے اپنے عزیز دوست کا واقعہ ہے کہ اسے ڈاکو پکڑ کر لے گئے اور بہت سختی اس پر کی اور دھکیلتے ہوئے بندوق کی نوک پر اس کو لے گئے تا کہ اس کو وہاں لوٹ کر وہ قتل بھی کر سکتے تھے، جو بھی کرنا تھا انہوں نے کرنا تھا۔ کہتے ہیں جب وہ لے گئے تو مجھ سے انہوں نے ایک سوال کیا اور وہ سوال یہ تھا کہ تم کون ہو، کس مذہب سے تمہارا تعلق ہے؟ اس شخص کو یہ توکل نصیب تھا اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کی کہ احمدی کہلانے پر اسے کیا ہوتا ہے۔ اس نے بڑی جرأت سے کہا کہ میں احمدی ہوں اللہ کے فضل سے اور جو تم نے کرنا ہے کرو، احمدیت سے میں پھر نہیں سکتا نہ احمدیت کو چھپا سکتا ہوں۔ کہتے ہیں یہ بات سنتے ہی انہوں نے کہا کہ اچھا! تم احمدی ہو، تو لو اپنا سامان پکڑو اور چلے جاؤ یعنی چلے جاؤ ان معنوں میں کہ اس کو دوبارہ آنکھوں پر پٹی باندھی تا کہ پتا نہ چلے کہ کہاں آیا تھا اور کہاں سے لے جایا جا رہا ہے

اور اسے اسی جگہ واپس چھوڑ گئے جہاں سے انہوں نے اس کو اٹھایا تھا۔ اب اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ توکل کا یہ بھی نتیجہ ہوسکتا ہے۔ دوسری طرف توکل والے کو اگر نقصان پہنچ بھی جائے تو وہ سمجھتا ہے کہ اللہ نے مجھے دیا تھا اور اسی نے واپس لے لیا، اس نے امتحان لیا تو میں اس امتحان میں کیوں ناکام ہوں اور پھر اللہ اس کو بہت دیتا ہے۔ تو یہ دو طرح سے توکل ہیں جو اللہ پر یقین کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں اور تبتّل کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں۔

اب ایک اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اقتباس ہے، ملفوظات جلد 4 صفحہ 664 طبع جدید سے لیا گیا ہے۔ عنوان اس کا یہ ہے ’’انبیاء اور رسل کی خلوت پسندی‘‘ فرماتے ہیں:

’’یہ مت سمجھو کہ انبیاء و رسل اپنے مبعوث ہونے کے لئے درخواست کرتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔‘‘

مبعوث ہونے کے لئے درخواست کیسے کر سکتے ہیں وہ تو بھاگتے ہیں دُنیا سے اور پتا ہوتا ہے کہ جہاں مبعوث ہوئے وہاں بے شمار کام اور ذمہ داریاں پڑ جائیں گی۔ ان کو کیسے نبھائیں گے، ان کو نبھانے کی خاطر لوگوں سے ملنا ہے، ہر وقت کی آمد ورفت یہ ساری چیزیں اس بعثت کا طبعی نتیجہ ہیں۔ فرماتے ہیں:

’’ہرگز نہیں۔ وہ تو ایسی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں کہ بالکل گمنام رہیں اور کوئی ان کو نہ جانے مگر اللہ تعالیٰ زور سے ان کو حجروں سے باہر نکالتا ہے۔‘‘

اب دیکھیں کیسا جبر کرتا ہے اللہ ان کے اوپر کیونکہ اللہ کو ایسے ہی آدمی چاہئیں۔ جس قسم کا ملازم انسان نے رکھنا ہو اگر وہ صفات مل جائیں تو انسان اس کے انکار کے باوجود بھی کوشش یہی کرے گا کہ میں اسے رکھ لوں۔ ایسی بہت سی مثالیں تاریخ میں ملتی ہیں کہ لوگوں نے ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کیا اور حاکم وقت نے زبردستی وہ ذمہ داری ان کے سپرد کی۔ تو فرماتے ہیں:

’’اللہ تعالیٰ زور سے ان کو حجروں سے باہر نکالتا ہے۔ ہر ایک نبی کی زندگی ایسی ہی تھی۔ آنحضرت ﷺ تو دنیا سے پوشیدہ رہنا چاہتے تھے۔‘‘

اب دیکھیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تقویٰ اور صدق کہ آنحضرت ﷺ کی غیر معمولی محبت کے باوجود باقی نبیوں کا جو حق تھا وہ بھی ادا کرنے سے پیچھے نہیں رہے۔ یہ ہر نبوت کا خاصہ ہے مگر ان کے درجے ہیں، الگ الگ مقامات ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی خلوت نشینی کا درجہ سارے

نبیوں سے بڑھ کر تھا اور جو عناصر ذمہ دار تھے خلوت نشینی کے وہ آنحضرت ﷺ کی صورت میں بہت زیادہ شدید تھے۔ پس گو تمام نبیوں میں یہ قدر مشترک ہے لیکن آنحضرت ﷺ میں سب سے زیادہ پائی جاتی تھی۔

”ہر ایک نبی کی زندگی ایسی ہی تھی۔ آنحضرت ﷺ تو دنیا سے پوشیدہ رہنا چاہتے تھے یہی وجہ تھی جو غار حرا میں چھپ کر رہتے اور عبادت کرتے رہتے۔ ان کو کبھی وہم بھی نہ آتا تھا کہ وہ وہاں سے نکل کر کہیں۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا (الاعراف:159)۔“

وہ یہ وہم بھی نہیں کر سکتے تھے کہ وہ غارِ حرا سے نکلیں اور سارے بنی نوع انسان کو مخاطب ہو کر کہیں، اے انسانو! اے وہ تمام انسانو! اے تمام بنی نوع انسان! اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا میں تم سب کی طرف رسول بنا کے بھیجا گیا ہوں۔ کوئی ایک انسان بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔

”آپ کا منشاء یہی تھا کہ پوشیدہ زندگی بسر کریں مگر اللہ تعالیٰ نے یہ نہ چاہا اور آپ کو مبعوث فرما کر باہر نکالا اور یہ عادت اللہ ہے کہ جو کچھ بننے کی آرزو کرتے ہیں وہ محروم رہتے ہیں۔“

اب ایک اور بات بھی پیش نظر رکھ لیں اچھی طرح۔ جو بننے کی آرزو کرتے ہیں وہ محروم رہتے ہیں۔ اب اس میں گہری حکمت ہے۔ وہ آرزو ان کی نیّت کو گندہ کر دیتی ہے اور اپنی بڑائی کی آرزو ان کو ان ذمہ داریوں سے غافل کر دیتی ہے جو لوگوں کی خاطر انہوں نے قبول کرنی ہوتی ہیں۔ پس جماعت میں یہی حکمت کا نظام رائج ہے۔ دُنیا میں اور کوئی ایسی جماعت نہیں جہاں یہ سلسلہ رائج ہو کہ جو شخص بھی اپنے لئے عہدہ کی خواہش کرے اس کو ہمیشہ کے لئے عہدوں سے ہٹا دیا جاتا ہے۔ جو شخص اپنے عہدہ کے لئے کسی کو کہے کہ مجھے چن لو اور ثابت ہو جائے اس کو آئندہ سے عہدوں کا نااہل قرار دے دیا جاتا ہے۔ اب یہ بات عجیب سی ہے کیونکہ دُنیا کی کسی ڈیماکریسی میں یہ نہیں ہے۔ ہر ڈیماکریسی میں عہدہ کی خواہش اس شخص کے دل سے اُٹھتی ہے جو کچھ بننا چاہتا ہے اور جب وہ خواہش کرتا ہے تو پھر پروپیگنڈے کی بھی اجازت ہے۔ پھر وہ پارٹیاں بنتی ہیں جو پھر اس کو منتخب کرتی ہیں اس کے ہم خیال لوگ اکٹھے کئے جاتے ہیں تو اس کو ڈیماکریسی کہا جاتا ہے مگر اس ڈیماکریسی ہی میں برقِ خرمن

موجود ہے، وہ آگ موجود ہے جو خرمن کو جلا دیا کرتی ہے۔ اس لئے دُنیا میں کہیں بھی کوئی ڈیما کریسی نہیں سوائے جماعت احمدیہ کے، جس کو سچی ڈیما کریسی کہتے ہیں۔ وہ جماعت احمدیہ کے سوا دُنیا کی کسی جماعت کو نصیب نہیں خواہ وہ سیاسی جماعت ہو خواہ مذہبی جماعت ہو۔ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اس ڈیما کریسی کا جو جماعت احمدیہ کو اللہ نے عطا فرمائی ہے جو بھی عہدہ کی خواہش کرے گا وہ اس عہدہ کا نا اہل۔ اب افغانستان پر نظر ڈال لیں یا پاکستان پر، دیکھیں عہدوں کی خواہشوں نے لوگوں کو ہلاک کر دیا ہے۔ ساری تباہی پاکستان پر خصوصیت کے ساتھ عہدوں کی خواہش کی وجہ سے ہے اور یہی دوڑ ہے۔ ہر شخص چاہتا ہے کہ مجھے کچھ نصیب ہو اور اس دوڑ نے سارے ملک کو گندہ کر رکھا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے جو انبیاءؑ کا سلسلہ چنا ہے اس میں ہم سب کے لئے ہمیشہ کے لئے سبق ہے۔ انبیاءؑ کو چننے کے طریق نے ہی دُنیا کی عظیم الشان راہنمائی فرمائی ہے جو کوئی دُنیا کا فلسفی راہنمائی نہیں کر سکتا تھا، نہ کر سکا ہے۔

”آپ کو مبعوث فرما کر باہر نکالا۔ یہ عادت اللہ ہے کہ جو کچھ بننے کی آرزو کرتے ہیں وہ محروم رہتے ہیں اور جو چھپنا چاہتے ہیں ان کو باہر نکالتا (ہے) اور سب کچھ بنا دیتا ہے۔ پس یقیناً سمجھو کہ میں بھی تنہائی کی زندگی کو پسند کرتا ہوں۔“

اب جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر سارے بوجھ ڈال دئے گئے تھے اس وقت بھی آپؑ کے دل کا عالم یہ تھا کہ سب کے اندر رہتے ہوئے بھی تنہائی کو پسند کر رہے تھے۔

”وہ زمانہ جو مجھ پر گزرا ہے اس کا خیال کر کے مجھے اب بھی لذّت آتی ہے۔“

کتنے مزے تھے کہ جب میں اکیلا رہا کرتا تھا۔ کوئی پوچھنے والا نہیں تھا کسی کی ذمہ داری ادا نہیں کرنی تھی۔ اب دیکھو کیسا ہجومِ خلائق ہو گیا ہے مگر اب سوچتا ہوں پرانی باتیں تو بہت مزہ آتا ہے۔ کیسی پیاری زندگی بسر کر رہا تھا۔

”میں طبعاً خلوت پسند تھا مگر خدا تعالیٰ نے مجھے باہر نکالا اور پھر اس حکم کو میں کیونکر ردّ کر سکتا تھا؟ میں اس نمود و نمائش کا ہمیشہ دشمن رہا لیکن کیا کروں جب اللہ تعالیٰ نے یہی پسند کیا تو میں اس میں راضی ہوں اور اس کے حکم سے منحرف ہونا بھی پسند نہیں کر سکتا۔ اس پر دنیا کے جو جی میں آئے کہے میں اس کی پروا نہیں کرتا۔“

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ:664 / الحکم جلد 10 نمبر 25 صفحہ:3، مؤرخہ 17 جولائی 1906ء)

پس وہ جو بے نیازی پہلے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمائی ہے توکل کے نتیجہ میں عطا ہوتی ہے۔ یہ پھر اسی کا ذکر فرمایا ہے کہ جو چاہے دُنیا کہتی پھرے مجھے تو کوئی پرواہ نہیں مگر میرے دل کی وہی حالت ہے جو میں بیان کر رہا ہوں۔

ایک اور عبارت ملفوظات جلد 4 صفحہ 7 طبع جدید سے لی گئی ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ جو لوگ خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہو کر آتے ہیں وہ اس بات کے حریص اور آرزومند نہیں ہوتے کہ لوگ ان کے گرد جمع ہوں اور اس کی تعریفیں کریں۔''

ہرگز ان کو کوئی حرص نہیں ہوتی لوگ جمع ہوں اور تعریفیں ہو رہی ہیں، ایک جمگھٹا بن گیا ہے۔ یہ دیکھو یہ بہت بزرگ آدمی ہے، بہت نیک انسان ہے۔

''وہ دُنیا سے الگ رہنے میں راحت سمجھتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مامور ہونے لگے تو انہوں نے بھی عذر کیا۔''

کہ اللہ مجھ پہ قتل بھی ہے، میرا بھائی مجھ سے بولنے میں بہتر ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرما رہے ہیں یہ عذر تھا اصل میں۔ چاہتے نہیں تھے کہ ان پر ذمہ داری ڈالی جائے، ان کو دُنیا میں بھیجا جائے تو انہوں نے عذر کیا۔

''اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غار میں رہا کرتے تھے۔ وہ اس کو پسند کرتے تھے مگر اللہ تعالیٰ خود ان کو باہر نکالتا ہے اور مخلوق کے سامنے لاتا ہے۔ ان میں ایک حیا ہوتی ہے۔''

یہ حیا کا مضمون پہلے بھی بیان ہو چکا ہے اسی مضمون کے تعلق میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''اور ایک انقطاع ان میں پایا جاتا ہے چونکہ وہ انقطاع تعلقات صافی کو چاہتا ہے اس لئے وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ایک لذّت اور سرور پاتے ہیں۔''

حیا کیسی ہوتی ہے؟ حیا اس بات کی کہ ایسے لوگوں کی جب تعریف کی جائے تو وہ اندر ہی اندر دل میں بے حد شرم محسوس کرتے ہیں خواہ وہ سچی تعریف ہو خواہ جھوٹی۔ جھوٹی تعریف کو تو وہ کراہت سے

دیکھتے ہیں۔ایسی بات جو ان میں موجود نہ ہو وہ صاف کہیں گے غلط کہہ رہا ہے مجھ میں نہیں ہے کیونکہ بعض لوگ قابل تعریف باتوں میں ایسی باتیں بھی بعض دفعہ بیان کرتے ہیں جو انبیاءؑ کے نزدیک قابل تعریف نہیں اور وہ نہیں ہوتیں ان میں لیکن لوگ کہتے ہیں تو کہتے ہیں غلط ہے، بالکل یہ بات نہیں مگر اپنی تعریف سے شرما جاتے ہیں اور یہ وہ مضمون ہے جس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بیان فرما رہے ہیں کہ مخلوق کے سامنے خدا لاتا ہے حالانکہ وہ مخلوق سے شرما رہے ہوتے ہیں اور یہاں شرمانا بدیوں کی وجہ سے نہیں، نیکیوں کی وجہ سے ہے۔

اب دیکھیں کتنا فرق ہے ان دو شرمانے کے انداز میں۔ایک شخص کو اگر وہ بدیوں سے پُر ہو اور اسے باہر ننگا کیا جائے دیکھیں کتنا شرمائے گا۔انبیاء کا حال بالکل جداگانہ ہے وہ جب خدا کے حکم پر باہر نکلتے ہیں تو بے حد شرماتے ہیں، کنواری دلہن سے بھی بڑھ کر شرماتے ہیں کہ اب تو میری خوبیاں ظاہر کی جائیں گی مجھے لوگوں کے سامنے ان معنوں میں ننگا کیا جائے گا کہ میرے سارے چھپے ہوئے ہُنر اور خوبیاں اور حُسن یہ ان پر ظاہر کر دئے جائیں گے اور ایسا ہی اللہ کرتا ہے۔’’اور ایک انقطاع ان میں پایا جاتا ہے۔ چونکہ وہ انقطاع تعلقات صافی کو چاہتا ہے اس لئے وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ایک لذّت اور سرور پاتے ہیں۔‘‘ تعلقاتِ صافی کیا ہوئے؟ ایسے تعلقات جن پہ دُنیا کی نظر ہی نہیں۔ انسان جس سے محبت رکھتا ہے اور حقیقی محبت رکھتا ہے اس سے تعلق اور اس سے تنہائی اور خلوت کے دوران ہرگز پسند نہیں کرتا کہ کوئی اور بھی اسے دیکھ رہا ہو۔صرف وہ ہو، اس کا محبوب ہو بس یہی اس کی زندگی ہو جاتی ہے۔تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس مضمون کو بیان فرما رہے ہیں۔ تعلقات صافی کو چاہتا ہے جس میں کسی غیر کی آمیزش نہ ہو۔

’’وہ انقطاع تعلقاتِ صافی کو چاہتا ہے اس لئے وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ ایک لذّت اور سرور پاتے ہیں لیکن وہی انقطاع اور صفائیٔ قلب اللہ تعالیٰ کی نظر میں ان کو پسندیدہ بنا دیتی ہے۔‘‘

اب جتنا وہ زیادہ علیحدگی میں محبت کا اظہار کرنا چاہتے ہیں اللہ کو اتنے ہی پیارے لگتے ہیں۔تو دُنیا سے بے نیاز، قطع نظر اس کے کہ کوئی ان کے حسن کو جانتا ہے یا نہیں مجھ پر ہی اپنا حسن کھول رہے ہیں اور میری خاطر فدا ہیں میرے ہی لئے وقف ہیں۔ چنانچہ یہ انقطاع ان کو اور بھی زیادہ اللہ کی نظر میں پسندیدہ بنا دیتا ہے۔

’’اور وہ ان کو اصلاح خلق کے لئے برگزیدہ کر لیتا ہے۔‘‘

اس انقطاع کے باعث یہ جانتے ہوئے کہ اپنے نفس کی ان کو ادنیٰ بھی حاجت نہیں ہے کسی نفسانی خواہش کی خاطر یہ کچھ بھی نہیں چاہتے، صرف میرے لئے ہیں جب میرے لئے چاہتے ہیں تو پھر لازماً اللہ جانتا ہے کہ میری مخلوق کا سب سے زیادہ حق یہی ادا کر سکیں گے۔ یہ ہے ان کو نبی بنانے کی مصلحت۔ ’’وہ ان کو اصلاحِ خلق کے لئے برگزیدہ کر لیتا ہے۔‘‘ برگزیدہ کا ایک عام مفہوم یہ ہے کہ بزرگ انسان، وہ بڑا برگزیدہ آدمی ہے مگر یہاں اصلاحِ خلق کے لئے برگزیدہ بنے رہتے ہیں ان معنوں میں وہ برگزیدہ ہو جاتے ہیں یعنی اصلاح خلق کے دوران یہ بھی تو ممکن ہے کہ رفتہ رفتہ تعلق اللہ سے ٹوٹ کر یا کچھ مدھم ہو کر بنی نوع انسان کی طرف منتقل ہوتا رہے لیکن اللہ جانتا ہے کہ ان کا تعلق مجھ سے بنی نوع انسان کی تربیت کے دوران کم نہیں ہوگا بڑھتا ہی چلا جائے گا کیونکہ وہ جو تکلیف ہو رہی ہے ان کو وہ اور زیادہ میری طرف کھینچے گی۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہ جملے بہت ہی گہرے مضمون کے حامل ہیں۔

’’وہ ان کو اصلاح خلق کے لئے برگزیدہ کر لیتا ہے جیسے حاکم چاہتا ہے۔ (یعنی کوئی حاکم دُنیا کا) جیسے حاکم چاہتا ہے کہ اسے کارکن آدمی مل جاوے اور جب وہ کسی کارکن کو پالیتا ہے تو خواہ وہ انکار بھی کر دے مگر وہ اُسے منتخب کر ہی لیتا ہے۔‘‘

دُنیا میں بھی اگر کسی حاکم کو ایسا آدمی مل جائے کہ اس کو عہدہ سے کوئی لگن نہ ہو اور عہدہ سے بھاگنے کی کوشش کر رہا ہو تو اس کو پکڑے گا کہ تُو ہی تو مجھے چاہئے اس لئے اب میں تمہیں جانے نہیں دوں گا، تمہیں مجبور کروں گا کہ تم یہ عہدہ سنبھالو۔

’’اسی طرح اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو مامور کرتا ہے وہ ان کے تعلقاتِ صافیہ اور صدق وصفا کی وجہ سے انہیں اس قابل پاتا ہے کہ انہیں اپنی رسالت کا منصب سپرد کرے۔ یہ بالکل سچی بات ہے کہ انبیاءؑ پر ایک قسم کا جبر کیا جاتا ہے۔ (اب اللہ جبر بھی کرتا ہے تو اپنے پیارے بندوں پر، مگر ایک قسم کا جبر جو ہے اس نے اس مضمون کو نرم کر دیا ہے) انبیاء علیہم السلام پر ایک قسم کا جبر کیا جاتا ہے۔ وہ کوٹھڑیوں میں بیٹھ کر عبادت کرتے ہیں اور اسی میں لذت پاتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کسی کو ان کے حال پر اطلاع نہ ہو، مگر اللہ تعالیٰ

جبراً ان کو کوٹھڑی سے باہر نکالتا ہے پھر ان میں ایک جذب رکھتا ہے اور ہزار ہا مخلوق طبعاً ان کی طرف چلی آتی ہے۔‘‘

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ:7/الحکم جلد 8 نمبر 19 صفحہ:2 مؤرخہ 10 جون 1904ء)

یہی واقعات حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں ہمیں ملتے ہیں۔آپؑ کے صحابہؓ کی روایات میں ملتے ہیں۔ایک موقع پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ریتی چھلہ میں جارہے تھے جو قادیان میں ایک کھلی ریت کی جگہ تھی۔ایک صحابیؓ بیان کرتے ہیں کہ آپؑ کے ساتھ اس وقت عشاق کا ایک جمگھٹا تھا آگے پیچھے دوڑے پھرتے تھے اور ایک عجیب منظر تھا ان کے عشق کا، ان کی فدائیت کا۔تو ایک سکھ نکل آیا وہاں سے اس نے کہا:’’غلام احمد اتو او ہی اے نا جنھوں تیرا پیو میرے نال چھوٹے ہوندے گھلن واسطے ڈاہ دیا کرداسی۔‘‘ یعنی بلّے بلّے کیا زمانہ آ گیا ہے۔ایک وہ زمانہ تھا کہ تمہارا باپ مجھے تجھ سے کشتی کروایا کرتا تھا اور یہ اس نے نہیں بتایا کہ کون گرایا کرتا تھا۔اس سے صاف پتا چلتا ہے کہ مسیح موعود علیہ السلام ہی گراتے ہوں گے۔ورنہ وہ کہتا میں تینوں ڈھا لیا کرداسی۔ بالکل نہیں کہا۔’’تے ہُن دیکھو جی اے لوگ سارے تیرے نال نٹھّے پھردے نے۔‘‘ ان کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کوئی بھی پرواہ نہیں تھی کون نٹھّے پھردا اے، کیوں نٹھّے پھردا اے۔آپ کو تو تنہائی چاہئے تھی مگر یہی واقعہ ہر نبی کی زندگی میں اللہ تعالیٰ دوہراتا رہتا ہے۔

(رجسٹر روایات (غیر مطبوعہ) صحابہ نمبر 1، روای حکیم اللہ دتا صاحب ولد نظام الدین صاحب شاہ پور امر گڑھ، صفحہ:92)

’’اگر خدا تعالیٰ مجھے یہ اختیار دے۔‘‘

یہ اقتباس ملفوظات جلد نمبر 1 صفحہ 310-311 طبع جدید سے لیا گیا ہے۔

’’اگر خدا تعالیٰ مجھے اختیار دے کہ خلوت اور جلوت میں سے تو کس کو پسند کرتا ہے، تو اس پاک ذات کی قسم ہے کہ میں خلوت کو اختیار کروں۔ (اس سارے کاروبار کے باوجود جہاں تک میرے دل کی تمنا ہے میں خلوت ہی کو اختیار کروں) مجھے تو کشاں کشاں میدانِ عالم میں اُسی نے نکالا ہے۔(کشاں کشاں جیسے کھینچ کھینچ کے نکالا جاتا ہے) جو لذت مجھے خلوت میں آتی ہے اس سے بجز خدا تعالیٰ کے کون واقف ہے۔میں قریب 25 سال تک خلوت میں بیٹھا رہا ہوں اور کبھی ایک لحظہ کے لئے بھی نہیں چاہا کہ دربار

شہرت میں کرسی پر بیٹھوں۔ مجھے طبعاً اس سے کراہت ہے کہ لوگوں میں مل کر بیٹھوں مگر امرِ آمر سے مجبور ہوں۔''

اب آپ کو جتنی بھی روایتیں ملتی ہیں کہ کس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام مل کر بیٹھا کرتے تھے یہاں تک کہ کھانا بھی باہر کھاتے رہے اس سے اندازہ کریں کہ کتنی مشکل تھی یہ بات لیکن رضائے باری تعالیٰ، اللہ کا حکم ہے اس وقت بھی آپ کی ایک تکلیف کی حالت ہوتی تھی اور ہنسی خوشی برداشت کرتے تھے، یہاں تک کہ روایت کرنے والے کہتے ہیں کہ جب مل کے بیٹھتے تھے تو ہمیشہ ہنستے کھیلتے خوشیوں کے ساتھ، مجال ہے جو کسی کو ذرا بھی احساس ہو کہ اندر سے یہ شخص کتنی کوفت قبول کر رہا ہے اپنے لئے۔ کتنی مشکل میں سے گزر کر یہ ہمارے دل رکھ رہا ہے مگر رضائے باری تعالیٰ، اللہ نے حکم دیا تھا۔ آپؑ نے کہا ٹھیک ہے میں حاضر ہوں۔ ''مجھے طبعاً اس سے کراہت ہے کہ لوگوں میں مل کر بیٹھوں مگر امرِ آمر سے مجبور ہوں۔'' فرمایا:

''میں جو باہر بیٹھتا ہوں یا سیر کرنے جاتا ہوں اور لوگوں سے بات چیت کرتا ہوں یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے امر کی تعمیل کی بنا پر ہے۔''

(ملفوظات جلد اوّل صفحات: 310-311 / الحکم جلد 4 نمبر 3 صفحہ 4 مؤرخہ 24 جنوری 1900ء)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو اپنے نشانات براہین احمدیہ میں لکھے تھے ان میں سے سوواں نشان جو براہین احمدیہ کی ایک پیش گوئی ہے اس کے صفحہ 241 میں درج ہے اس کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام خود فرما رہے ہیں کہ تمہیں میرے ماضی کے حالات کا پتا نہیں کیا حالات تھے اور انہی دنوں میں اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما لیا تھا کہ تمہیں میں ضرور باہر نکالوں گا لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس وقت اس کا مضمون سمجھ نہیں آ رہا تھا تنہا پسند، علیحدگی میں بیٹھے ہوئے اور یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے وہم و گمان بھی نہیں آ سکتا تھا کہ دُنیا میں اللہ تعالیٰ اتنی شہرت دے گا مگر خدا تعالیٰ کی شان دیکھیں کہ اس شہرت کے لئے پہلے سے ہی تیاری کی ہوئی تھی۔ ساری تنبیہات موجود تھیں جب وہ وقت آنا تھا اس وقت یاد آتا کہ اللہ تو 25 سال پہلے مجھے یہ سب کچھ بتا چکا تھا۔ اس مضمون کو آپ یوں بیان فرما رہے ہیں:

’’براہین احمدیہ کی وہ پیشگوئی ہے جو اس کے صفحہ 241 پر درج ہے اور پیشگوئی کی عبارت یہ ہے: لَا تَيْئَسْ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اَلَا اِنَّ رَوْحَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ. اَلَا اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ. يَأْتِيْكَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ. يَأْتُوْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ. يَنْصُرُكَ اللّٰهُ مِنْ عِنْدِهٖ. يَنْصُرُكَ رِجَالٌ نُّوْحِيْ اِلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ. وَلَا تُصَعِّرْ لِخَلْقِ اللّٰهِ وَ لَا تَسْئَمْ مِّنَ النَّاسِ۔ دیکھو صفحہ 241 براہین احمدیہ مطبوعہ 1881ء۔‘‘

1882ء میں پہلا ماموریت کا الہام ہوا ہے آپؑ کو اور مسیح اور مہدی کے منصب پر فائز ہونا بہت بعد کا واقعہ ہے۔ 1889ء میں آپؑ کو اللہ تعالیٰ نے بطور مہدی بیعت لینے کی اجازت فرمائی ہے تو یہ اس سے بہت پہلے کے واقعات ہیں۔ براہین احمدیہ جو چھپی تھی اس میں گویا ان سب باتوں کی پہلے سے پیش گوئی موجود تھی۔ فرماتے ہیں:

’’براہین احمدیہ مطبوعہ 1881ء و 1882ء مطبع سفیر ہند پریس امرتسر۔ ترجمہ (یہ ترجمہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنا ہے) خدا کے فضل سے نومید مت ہو اور یہ بات سن رکھ کہ خدا کا فضل قریب ہے۔ خبردار ہو۔‘‘

خبردار ہو کا مطلب ہے کہ اس بات پر گواہ بن جاؤ اس کو اچھی طرح پلے باندھ رکھو۔ اس کے لئے لفظ خبردار استعمال ہوسکتا ہے۔ خبردار بعض دفعہ خطرناک چیزوں سے بچنے کے لئے استعمال ہوسکتا ہے اور بعض دفعہ اچھی چیزوں کو توجہ سے، غور سے دیکھنے کے لئے بھی استعمال ہوسکتا ہے تو یہاں اس کا یہ موقع ہے۔ فرمایا:

’’خبردار ہو کہ خدا کی مدد قریب ہے۔ وہ مدد ہر ایک راہ سے تجھے پہنچے گی اور ہر ایک راہ سے لوگ تیرے پاس آئیں گے اور اس کثرت سے آئیں گے کہ وہ راہیں جن پر وہ چلیں گے عمیق ہو جائیں گی۔ (ان پر گڑھے پڑ جائیں گے) خدا اپنے پاس سے تیری مدد کرے گا۔ تیری مدد وہ لوگ کریں گے جن کے دلوں میں ہم آپ القاء کریں گے مگر چاہئے کہ تو خدا کے بندوں سے جو تیرے پاس آئیں گے بدخلقی نہ کرے اور چاہئے کہ تو ان کی کثرت دیکھ کر ملاقاتوں سے تھک نہ جائے۔ اس پیشگوئی کو آج پچیس برس گزر گئے جب یہ براہین احمدیہ میں شائع ہوئی تھی۔‘‘

(حقیقة الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ: 261)

مجھے یہ پڑھتے ہوئے ہمیشہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق اللہ تعالیٰ کی تنبیہ کہ 'تھک نہ جائے' یہ ملاقاتوں کے دوران یاد آتی ہے خصوصاً جلسہ کے بعد جو ملاقاتیں ہوتی ہیں۔ اس میں لازم ہے کہ ہر ملاقاتی سے بشاشت سے ملا جائے اور ان کی توقعات کو بھی پورا کیا جائے اور جتنا ملاقاتیں تھکاتی ہیں اتنا سارا جلسہ نہیں تھکاتا۔ کوئی تصنیف کا کام نہیں تھکاتا۔ میں اپنے بچوں کو بعد میں کہا کرتا ہوں کہ اب میں آرام سے بیٹھا ہوں اب مجھے کھانا دو، مجھے پتا لگے کہ سکون کیا ہوتا ہے اور جن سے مل رہا ہوتا ہوں ان کی جدائی کا غم بھی ہو رہا ہوتا ہے، یہ بھی افسوس ہو رہا ہوتا ہے کہ جلدی ملاقات ختم کر رہا ہوں، یہ بھی کہیں بد خلقی ہی نہ ہو۔ ان کو تسلی دیتا ہوں، ان کو بتاتا ہوں کہ بہت مجبوریاں ہیں، وقت تھوڑا ہے اس لئے آپ کو رخصت کرنا بھی میری ایک مجبوری ہے اور یہ بھی سچ ہے۔ ایک عجیب سلسلہ ہے اللہ تعالیٰ کا کہ اس کی خاطر جو آپ کام کرتے ہیں ان میں بعینہٖ وہی مضمون جو پیاروں سے ملنے کا ہے آپ کے دل پر جاری بھی ہو جاتا ہے۔ ان سے ملنے کی محبت، اس کی خوشی، ان کی جدائی کا غم لیکن وہ بوجھ جو دل پر ساتھ ساتھ پڑ رہا ہوتا ہے یہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کی خبر دے دی تھی اور بعینہٖ یہی حال حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا۔ بے انتہا بوجھ اٹھائے ہیں، اتنا کہ ہم آج ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ کھانا ان کے لئے خود لے کے آنا، آنے والے سے پوچھنا، اس کو عزت سے بٹھانا اور پھر بہت لمبا عرصہ تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام گھر سے کھانا لا کر ان کو پیش کرتے رہے۔

اب یہ بتائیں کہ ایک نبی سے کم کس کا حوصلہ ہو سکتا ہے۔ جو للہ انقطاع اختیار کر چکا ہو صرف اس کو یہ توفیق مل سکتی ہے۔ اب جو لوگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کے نشان ڈھونڈتے پھرتے ہیں یہ گدھے مولوی، ان کو کیا پتا کہ انقطاع ہوتا کیا ہے۔ ان کو کیا پتا کہ رضائے باری تعالیٰ کے نتیجہ میں کیسے کیسے متضاد حالات سے انسان کو گزرنا پڑتا ہے اور دونوں متضاد حالات بیک وقت سچے بھی ہوتے ہیں۔ یہ کیفیتیں انبیاءؑ کی کیفیات ہیں اور دنیا کے جہلاء ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے مگر ذرا بھی آنکھیں کھول کر دیکھیں تو ان کو یقین ہو جائے کہ یہ شخص جس کے یہ حالات ہیں یہ لازماً اللہ کا برگزیدہ نبی ہے اس کے سوا ہو ہی نہیں سکتا۔

”غرض کچھ بھی تو نہیں تھا اور میں صرف ایک اَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ تھا اور محض گمنام تھا۔“

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 262)

اتنا اقتباس پڑھ کر میں اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

خطبہ ثانیہ کے بعد حضورؒ نے فرمایا:

میں نے ایک گزشتہ خطبہ میں اعلان کیا تھا کہ جب مغرب کی نماز کا وقت ساڑھے چار ہو جائے گا اس وقت جمعہ کے اختتام کے وقت عصر کا وقت شروع ہو چکا ہوگا۔ اس لئے جب تک ساڑھے چار سے واپس وقت اوپر نہیں جاتا اس وقت تک آئندہ عام نمازیں نہیں مگر جمعہ کی نماز کے بعد عصر کی نماز ساتھ پڑھی جایا کرے گی۔ آج بھی ایسا ہی ہوگا لیکن یاد رکھیں کہ جمعہ کی دو سنتیں فرض ہیں، کم از کم دو سنتیں۔ اس لئے اُمید ہے کہ آپ ویسے ہی سنتیں پڑھ چکے ہوں گے مگر اگر کسی نے نہ پڑھی ہوں تو وہ تکبیر کے دوران ہی جلدی جلدی سنتیں ادا کر لے تا کہ جو پہلی دو سنتوں کا فریضہ ہے وہ پورا ہو جائے۔ ورنہ عصر جمع ہو جائے تو پھر مغرب تک سنتیں ادا کرنے کا وقت ہی کوئی نہیں رہتا کیونکہ عصر کی نماز کے بعد مغرب تک پھر کوئی نماز بھی نہیں ہونی چاہئے۔